

بیسویں صدی کی اہم تعبیراتِ ربا کا جائزہ

ڈاکٹر محمد طاہر مصوّری ☆

جدید عالمی معاشی اور مالیاتی نظام کے سیاق اور تناظر میں ربا کے مفہوم کا نئے سرے سے تعین گزشتہ چند دہائیوں سے عالم اسلام کے بعض اہل علم اور دانشور حضرات کی خصوصی دلچسپی کا موضوع رہا ہے۔ مغربی نظام میثت کے اصولوں سے متاثر ان حضرات کی یہ کوشش رہی ہے کہ ربا کی اس طور پر تعبیر کی جائے کہ وہ ایک مخصوص شکل تک محدود ہو کر رہ جائے اور تجھے بینک کے منافع اور کرشل انٹرست کے جواز کی صورت پیدا ہو جائے۔ اسلام سود کو ایک فقیح گناہ اور ایک تکمین اخلاقی و معاشرتی برائی تصور کرتا ہے جبکہ جدید معاشی نظام میں سود کی حیثیت جسم میں دوڑنے والے خون کی ہے۔ وہ سرمایہ دارانہ نظامِ میثت کی جان اور اس کی روح رواں ہے۔ عالم اسلام کے یہ اہل علم اور دانشور حضرات فکری طور پر اس بات کے قائل ہیں کہ بینکوں کا سود جدید معاشی زندگی کا لازمی جزو ہے جس کے بغیر میثت کی ترقی کا تصور بھی ناممکن ہے۔ ان افراد کی نگاہ میں اس طرح کے ایک مفید عنصر کے انکار سے اسلام کا وہ دعویٰ غلط ہو جائے گا کہ وہ ہر عہد اور ہر زمانے کے تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ چنانچہ شریعت کو جدید عصری تقاضوں سے ”ہم آہگ“ کرنے کی خواہش میں ان حضرات نے مفہومِ ربا کی ایسی تشریع و تعبیر کی ہے کہ اس سے جدید نظام سرمایہ داری میں سود کی جتنی اشکال پائی جاتی ہیں وہ قریب قریب سب حلال و جائز ہو جاتی ہیں۔ بیسویں صدی میں جن مسلمان اہل علم نے اس طرح کی کوششیں کی ہیں ان میں نمایاں نام علامہ رشید رضا، علامہ عبدالعزیز جاویش، علامہ علی الحفیف، علامہ محمود ہلتوت، ڈاکٹر عبدالرازق سنہوری، ڈاکٹر معروف دوالیسی، مولانا جعفر شاہ پھلواروی، ڈاکٹر فضل الرحمن کے ہیں۔ ان افراد نے کرشل انٹرست یا بینک کے سود کے

جو اجاز کے لیے ربا کی مختلف انداز میں تشریع و تعبیر کی ہے۔ ان میں سے بعض نے قرآنی لفظ ربا سے مراد دو گنا چو گنا ہونے والا سود لیا ہے۔^(۱) ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ غیر پیداواری اور شخصی قرضوں پر جو اضافہ قرض خواہ مقرض سے لیتا ہے، وہی ربا ہے، پیداواری قرضوں پر اضافہ ربانہیں۔ بعض دانشوروں کا خیال ہے کہ بینک اپنے کھاتہ دار کو جو اضافہ دیتا ہے وہ مضاربہ کا روپا رکا نفع ہے۔

اس مقالہ میں ہم نے علامہ رشید رضا اور ڈاکٹر فضل الرحمن کی تعبیرات ربا کا جائزہ لیا ہے۔ ان اہل علم کے نقطہ ہائے نظر کا اختیاب ہم نے اس بناء پر کیا ہے کہ کمرشل انٹرنسٹ کے حق میں یا ربا اور انٹرنسٹ کے فرق پر ان افراد کی تحریریں بہت بیانی حیثیت کی حامل ہیں۔ بینکنگ انٹرنسٹ کے حق میں جو استدلال کیا جاتا ہے، اس کا مرجع عام طور پر علامہ رشید رضا اور ڈاکٹر فضل الرحمن کی آراء ہیں۔

علامہ رشید رضا کا تصور ربا

علامہ رشید رضا بیسویں صدی کے ایک معروف عالم دین اور دانشور تھے۔ علمی حلقوں میں ان کی ذات و شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وہ مشہور تفسیر قرآن المنار کے مصنف تھے۔ ”المنار“ کے عنوان سے انہوں نے ایک مشہور علمی رسالہ کا اجراء کیا جس میں مختلف دینی موضوعات پر ان کی اور ان کے استاذ شیخ محمد عبدہ کی آراء جھپٹی رہتی تھیں۔ یوں تو ربا پر ان کی آراء اس رسالے کے توسط سے وقتاً فوقتاً علمی حلقوں کے سامنے آتی رہتی تھیں تاہم وہ تحریر جوان کے نقطہ نظر کو واضح طور پر متعارف کرانے کا باعث نبی، آپ کا ایک فتویٰ ہے جو ۱۹۳۰ء میں ”المنار“ میں شائع ہوا۔ بعد میں یہ فتویٰ ”الربا والمعاملات فی الاسلام“ کے عنوان سے ۱۹۶۰ء میں کتابی شکل میں شیخ محمد بیطار کی تقریظ کے ساتھ منظر عام پر آیا۔ اس فتویٰ میں آپ نے ربا پر کچھ سوالات اور استفسارات کے جواب دیے جو حیدرآباد دکن سے آپ کو ارسال کیے گئے تھے۔ مذکورہ استفتا کے چند اہم سوال یہ ہیں:

- ۱۔ ربا کا قرآن و سنت کی روشنی میں مفہوم کیا ہے؟
- ۲۔ کیا قرض کے اصل زر پر متعین اضافہ نص کی رو سے ربا ہے؟

۳۔ اگر اس طرح کا اضافہ ربا ہے تو کیا اس نقطہ نظر کی تائید مختلف فقیہ مذاہب میں ملتی ہے؟

علامہ رشید رضا نے ان سوالات کا تفصیل سے جواب دیا، ان کا نقطہ نظر یہ تھا کہ قرض کی اصل رقم پر متعین اضافہ ربانیں کیونکہ قرآن و سنت میں اسے ربا قرار دینے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ علامہ رشید رضا کے اس نقطہ نظر کی اہمیت یہ ہے کہ کرشل انٹرست یا بینک کے سود کے حق میں جو تحریریں اور آراء بیسویں صدی کے دوسرے نصف میں سامنے آئی ہیں وہ عموماً علامہ رشید رضا کے نقطہ نظر پر مبنی ہیں۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تجارتی سود کے حق میں جو موقف مختلف حلقوں نے اختیار کیا ہے، اس کی بنا اور طرح علامہ رشید رضا کی تحریروں نے ذاتی ہے۔ اس تاریخی اہمیت کے پیش نظر ہم تفصیل سے علامہ رشید رضا کے تصور ربا کا جائزہ لیں گے۔

ربا النسبیہ کا مفہوم

علامہ رشید رضا ربا کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلی قسم ربا النسبیہ ہے۔ یہ ایک قطعی اور صریح ربا ہے۔ اس کی حرمت قطعی ہے۔ یہ کھلا اور حقیق معنوں میں سود ہے۔ دوسرا قسم ربا الفضل ہے جو کھلا سود نہیں۔ تاہم وہ کھلے سود کا ذریعہ اور چور دروازہ بن سکتا ہے۔ اس کی حرمت محض سد الذریعہ کے طور پر ہے۔ اس طرح کے سود کا ضرورت کے وقت ارتکاب کیا جاسکتا ہے۔ قطعی و حقیق ربا یا ربا النسبیہ وہ اضافہ ہے جو قرض خواہ قرض دہندہ سے اس کے وقت مقررہ پر قرض ادا نہ کرنے کی صورت میں اسے مزید مہلت دینے کے عوض وصول کرتا ہے۔ معاهدہ کے وقت جس اضافے کا مطالبہ دائیں دین سے کرتا ہے وہ ربا النسبیہ کے مفہوم میں شامل نہیں۔

ایک سوال کے جواب میں علامہ فرماتے ہیں:

”جان لو کہ موبل دین میں معاهدے کے وقت جو اضافہ کیا جاتا ہے وہ ربا النسبیہ نہیں ہے بلکہ ربا الفضل کی قسم سے تعلق رکھتا ہے، ربا النسبیہ وہ ربا ہے جو مدت معاهدہ کے اختتام پر مہلت ادائیگی بڑھانے کے عوض دائیں دین سے

لیتا تھا۔ یہی بعد میں دو گئے ربا میں تبدیل ہو جاتا تھا۔ زمانہ جاہلیت میں اسی ربا کا رواج اور چلن تھا۔^(۳)

معاہدہ قرض میں جس اضافے پر فریقین اتفاق کرتے ہیں، علامہ رشید رضا کی نگاہ میں وہ ربا افضل ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ زید بکر سے ایک ہزار روپے ۲۰ فیصد اضافے کی شرط پر ایک سال کے لیے قرض لیتا ہے۔ یہ میں فیصد اضافہ ربا النسیبہ نہیں بلکہ محض ربا الفضل ہے اور ربا الفضل بقول علامہ رشید رضا امام ابن القیم کے ہاں مخصوص حالات میں جائز ہے۔ مذکورہ مثال میں اگر زید سال کے بعد قرض کی ادائیگی نہیں کرتا اور بکر اسے مزید ایک سال کی مہلت دے کر رقم بارہ سو سے پورہ سو کر دیتا ہے تو اب یہ معاملہ ربا النسیبہ بن جائے گا۔

یہ وہ ربا ہے جو بعد میں اضعافاً مضاعفہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہاں تک کہ مقروض اپنی ہر چیز گنو بیٹھتا ہے۔ اسی کے بارے میں قرآن میں شدید وعید آئی ہے اور اسی کو ظلم قرار دیا گیا ہے۔^(۴)

اپنی شہرہ آفاق تفسیر "النذر" میں وہ سورہ بقرہ کی آیات الربا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: "ان آیات میں سے ربا سے مراد جاہلیت کا ربا یعنی ربا النسیبہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص ادھار پر کوئی چیز خریدتا ہے اور پھر اگر وہ معاہدے کے مطابق وقت پر رقم نہ دے سکتا تو وہ دائن سے مزید مہلت مانگتا۔ دائن اسے مزید مہلت دے کر رقم میں اضافہ کر دیتا تھا۔ اس طرح یہ رقم دو گئی چوٹی ہو جاتی تھی۔ سورہ آل عمران میں آیا ہے: "یا ایها الذین آمنوا لا تأكلوا الربا أضعافاً مضاعفة" یہ تحریم ربا کی پہلی آیت ہے۔ اس آیت کی رو سے حرمت ربا مذکورہ شرط اور وصف کے ساتھ مشروط ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت "الذین يأكلون الربا -----" میں بھی جس ربا کا ذکر ہے وہ بھی آل عمران میں مذکور مخصوص ربا پر محول کیا جانا چاہیے کیونکہ یہ اصولی قاعدہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محول کیا جاتا ہے۔"^(۵)

ان عبارات سے باسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ رشید رضا کے ہاں ربا اس مرکب سود سے عبارت ہے جو مدت معاہدہ کے اختتام پر مہلت ادائیگی میں توسعہ کے بدله

میں رقم کے اضافے سے جنم لیتا ہے۔ ان کے خیال میں حدیث اسامة "لا ربا الا فی النسبۃ" اسی ربا کی تائید میں وارد ہوئی ہے۔ (۷)

نقطہ نظر کا جائزہ

علامہ رشید رضا کی تعبیر ربا کا علمی جائزہ لینے سے قبل یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختصرًا ان اصولی مسائل اور دلائل کی نشاندہی کر دی جائے جس پر علامہ نے اپنے استدلال کی بنا رکھی ہے:

- ۱۔ زمانہ جاہلیت کا ربا مرکب سود کی شکل کا تھا، شریعت نے صرف اسی ربا کو حرام ٹھہرایا ہے۔
- ۲۔ ابن القیمؓ کے نزدیک مخصوص حالات میں ربا الفضل کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔ اضافے کی شرط کے ساتھ قرض کا معاملہ ربا الفضل کی ایک شکل ہے اور جائز ہے۔
- ۳۔ صرف دوگنا چوگنا سود ہی حرام ہے۔
- ۴۔ حدیث اسامة " لا ربا إلا فی النسبۃ" صرف اسی ربا کو حرام ٹھہراتی ہے جو مهلت ادائیگی میں توسعہ کے بدله میں قرض کی رقم میں اضافے سے جنم لیتا تھا۔

زمانہ جاہلیت کا سود

علامہ رشید رضا کا یہ دعویٰ کہ زمانہ جاہلیت میں سود کی صرف وہی شکل تھی ہے انہوں نے بیان کیا ہے، تاریخی حقائق سے مطابقت نہیں رکھتا۔ زمانہ جاہلیت میں سود کی بہت سی اشکال رائج تھیں جن کی طرف قدیم مفسرین نے اشارہ کیا ہے:

- ۱۔ ربا کی پہلی شکل یہ تھی کہ ایک شخص دوسرے کو ادھار پر کوئی چیز فروخت کرتا یا اسے کچھ رقم دیتا، جب مدت پوری ہو جاتی اور قرض دار کے پاس ادائیگی کے لیے کچھ نہ ہوتا تو وہ قرض میں اضافہ کر کے مہلت حاصل کر لیتا۔

مشہور تالیبی مجاهد (م ۱۰۱هـ) کہتے ہیں: یکون للرجل علی الرجل دین فیقول لک زیادة کذا و کذا و تو خرعنى. (یعنی ایک شخص کا دوسرے شخص پر قرض ہوتا تھا۔ تو قرض دار (ادائیگی نہ کر سکنے کی صورت میں) قرض خواہ سے کہتا: تم مجھے مہلت دے دو تو میں تمہیں

اتقى رقم زیادہ دے دوں گا۔ (۸)

علامہ طبری (م ۳۱۰ھ) لکھتے ہیں:

”إن ربا الجاهلية يبيع الرجل البيع إلى أجل مسمى فإذا حل الأجل ولم يكن عند صاحبه قضا، زاده وأخر عنه“

(جایلیت کا ربا یہ تھا کہ ایک آدمی دوسرے کو ایک معین مدت تک کوئی چیز پیچتا تھا، جب مدت پوری ہو جاتی اور قرض دار کے پاس ادائیگی کے لیے رقم نہ ہوتی تو وہ قرض میں اضافہ کر کے مہلت حاصل کر لیتے۔) (۹)

امام بغوي (م ۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

”إن أهل الجاهلية كان أحدهم إذا حلَّ ماله على غريميه فطالبه فيقول الغريم لصاحب الحق زدنى في الإجل حتى أزيدك في المال فيفعلاً ذلك“

(جایلیت کے زمانے میں جب کسی کے مال کی ادائیگی کی میعاد آ جاتی اور وہ اپنے قرض کا مطالبة کرتا تو اس کا مقروض کہتا: مدت بڑھا دو تو میں تمہارے قرض میں اضافہ کر دوں گا۔ چنانچہ دونوں ایسا معاملہ کر لیتے۔) (۱۰)

۲۔ دوسری شکل یہ تھی کہ لین دین کی قرارداد میں دائیں راس المال پر اضافے کی شرط لگاتا۔ امام جصاص (م ۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

”والربا التي كانت العرب تعرفه و تفعله إنما كان قرض الدرهم والدنانير إلى أجل بزيادة على ما استقرض على ما يتراءون به۔“

(وہ ربا جو عربوں میں معروف و رائج تھا وہ یہ تھا کہ دراہم و دنانیر کو ایک مدت کے لیے قرض دیا جاتا اور باہمی رضامندی کے ساتھ قرض لی ہوئی مقدار پر زیادتی طے کر لی جاتی تھی۔) (۱۱)

ڈاکٹر جواد علی ”الفصل في تاريخ العرب قبل الاسلام“ میں لکھتے ہیں:

”وہ ربا جو عربوں کے بیان معروف تھا اور جس کا وہ لین دین کرتے تھے وہ یہ تھا کہ دراہم و دنانیر کو ایک مدت کے لیے قرض دیا جاتا اور باہمی رضامندی سے قرض لی ہوئی مقدار پر زائد نفع طے کیا جاتا اور وہ ربا جایلیت کا ربا محسن

مدت کے لیے مشروط زیادتی کے ساتھ قرض ہوتا تھا جس میں اصل رقم پر زیادتی
مدت کا بدل ہوتی تھی۔ (۱۲)

۳۔ تیسرا شکل یہ تھی کہ دائن مقرض سے ہر ماہ ایک معین رقم لیتا تھا جبکہ راس المال یا
اصل زر برقرار رہتا۔

امام رازی (م ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں:

”وَأَمَّا رِبَا النُّسْيَةِ فَهُوَ الْأَمْرُ الَّذِي كَانَ مُشْهُورًا مُتَعَارِفًا بَيْنَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَ
ذَلِكَ أَنَّهُمْ كَانُوا يَدْفَعُونَ الْمَالَ عَلَى أَنْ يَأْخُذُوا كُلَّ شَهْرٍ قَدْرًا مَعِينًا وَيَكُونُ
رَأْسُ الْمَالِ بَاقِيًا ثُمَّ إِذَا حَلَّ الدِّينُ طَالَبُ الْمَدْيُونُ بِرَأْسِ الْمَالِ، فَإِنْ تَعْذُرَ عَلَيْهِ
الْأَدَاءُ زَادَوا فِي الْأَجْلِ وَالْحَقِّ، فَهَذَا هُوَ الرِّبَا الَّذِي كَانُوا فِي الْجَاهِلِيَّةِ
يَعْتَامِلُونَ بِهِ۔“

(ربا النسبة جملت کے زمانے میں معروف و مشہور تھا۔ اس کی شکل یہ ہوتی
تھی کہ لوگ اپنا ادھار مال اس شرط پر لوگوں کو دیتے کہ اتنی مقدار مہانہ سود
دینا ہوگا اور اصل رقم بدستور برقرار رہے گی۔ جب ادائیگی کی میعاد پوری ہو
جائی تو قرض دار سے ادائیگی کا مطالبہ کرتے۔ اگر وہ ادائیگی سے قادر ہوتا تو
میعاد بڑھا دی جاتی اور اس میعاد کے بدله میں سود بھی بڑھا دیا جاتا۔ یہی وہ
ربا تھا جس پر جملت کے زمانے میں معاملات ہوتے تھے)۔ (۱۳)

ان اقوال سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ معابدہ قرض میں فریقین مدت کے مقابلے
میں جس اضافہ پر اتفاق کرتے ہیں وہ بھی ربا النسبة ہے اور قطعی ربا میں داخل ہے۔ اسے
ربا الفضل قرار دے کر حرمت کے دائرے سے خارج کرنا درست نہیں۔ ربا کے ذکورہ مفہوم
پر پوری امت مسلمہ کا اجماع ہے۔

ابن عبدالبر (م ۴۶۳) لکھتے ہیں:

”وَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ نَقْلًا عَنْ نَبِيِّهِ أَنَّ اشْتِرَاطَ الزِّيَادَةِ فِي السَّلْفِ رِبَا
وَلَوْ كَانَتْ قَبْضَةً عَلَفَ أَوْ حَبَّةً“

(مسلمانوں کا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی بناء پر اس بات پر اجماع

ہے کہ قرض کے اصل مال پر اضافے اور زیادتی کی شرط لگانا سود ہے، اگرچہ یہ اضافہ ایک مٹھی گھاس اور دانے ہی کی شکل میں کیوں نہ ہو۔ (۱۳)

ابن القیم کا نقطہ نظر

علامہ ابن القیم[ؒ] کے نزدیک ربا و فضم کا ہوتا ہے۔ ربا جلی اور ربا خفی۔ ربا جلی یا ربا النسیبہ جس کا زمانہ جاہلیت میں عام چلنا تھا، اس کی صورت یہ تھی کہ قرض خواہ مقرض کو مہلت ادا کیگی میں مزید وقت دے کر قرض کی رقم میں اضافہ کر دیتا، یہاں تک کہ وہ سیکڑوں اور ہزاروں تک جا پہنچتا۔ ربا خفی وہ ہے جسے سد الذریعہ کے طور پر منع کیا گیا ہے کیونکہ وہ الربا الجابیل کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ ربا الفضل ہے جس کی نشاندہی ابوسعید خدریؓ سے مردی حدیث میں کی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایک درہم کو دو درہموں کے عوض نہ بیجو کر مجھے خدا ہے کہ کہیں تم سود خوری میں نہ بیٹلا ہو جاؤ“ (۱۴)

ربا کی مذکورہ اقسام بیان کرنے کے بعد علامہ ابن القیم ربا الفضل کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہیں: وہ لکھتے ہیں: ”جوربا سد الذریعہ اور دیلے کے طور پر منوع ہے، اس کی حرمت اس ربا سے بہر حال کم ہے جو اپنے مقصد اور غرض و غایت کے اعتبار سے حرام ہے۔“ اس فرق کی بناء پر ان کی رائے میں سونے سے بنے ہوئے زیورات چیزیں انکوئی، چوری، لفڑی وغیرہ کا سونے کے ساتھ مبادله تقاضل گے ساتھ ہو سکتا ہے۔ ایسے مبادلے میں چوری نہیں کہ اس چوری یا لفڑی کا مقابلہ ہم وزن سونے سے ہی ہو۔ کیونکہ چوری اور لفڑی اب صرف سونا ہی نہیں رہا بلکہ اس میں صفت کا غصر بھی داخل ہو گیا ہے، جس سے اس کی بیعت تبدیل ہو گئی ہے۔ (۱۵)

حرمت ربا میں ربا الفضل کی ٹانوی حیثیت پر زور دیتے ہوئے علامہ فرماتے ہیں کہ جس چیز کو سد ذریعہ کے طور پر حرام کیا جاتا ہے وہ راجح مصلحت کی بناء پر جائز ہو جاتی ہے۔ چیزے کہ شریعت میں نکاح کے خواہشمند لڑکے کو اپنی ملکیت کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ (۱۶)

ابن القیم ایک درہم کو دو درہموں کے ساتھ تقاضل کے ساتھ بیخنے کی ممانعت والی

حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حدیث میں ربا الفضل سے اس بناء پر منع کیا گیا ہے کہ اس بات کا خدشہ ہے کہ دست بدست لین دین میں اضافہ لینے کے بعد لوگ اگلے مرحلے پر ادھار میں بھی تقاضل اور زیادتی کے ساتھ آپس میں معاملہ کرنا شروع کر دیں گے جو کہ عین ربا ہے۔

اب ہم علامہ ابن القیم کی ان آراء کا علامہ رشید رضا کی آراء کے ساتھ مقابل کرتے ہیں۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے، علامہ رشید رضا کے نزدیک اگر ایک شخص دوسرے کو ایک ہزار روپے / پندرہ سو روپے کے عوض قرض پر دیتا ہے تو یہ ربا النسبیہ نہیں بلکہ ربا الفضل ہے اور جائز ہے، حالانکہ علامہ ابن القیم کے نزدیک یہ عین ربا ہے، یعنی حقیقی اور واضح ربا کی شکل ہے۔ ابن القیم اس شکل کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ایک شخص جب ایک درہم کو دو درہموں کے بدلتے فروخت کرے گا اور دست بدست لین دین میں نفع لے گا تو اس کا اختال ہے کہ وہ ادھار میں بھی ایسا کرنے سے نہ چوکے گا اور یہ عین ربا ہے۔^(۱۸) اس کے بر عکس علامہ رشید رضا یہ کہتے ہیں کہ جو شخص سو پونڈ کسی سے قرض لیتا ہے اور ۱۲۰ پونڈ کی واپسی کا مقابلہ کرتا ہے تو ایسا کرنا جائز ہے، یہ حقیقی و قطعی ربا نہیں۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ علامہ رشید رضا نے علامہ ابن القیم کا نام شخص اپنے افکار کو سند جواز فراہم کرنے کے لیے استعمال کیا ہے، ورنہ ان کی فکر کو علامہ ابن القیم کی فکر سے کوئی مناسبت نہیں۔

حرمت سود کا دو گنے چونگئے تک محدود ہونا

علامہ رشید رضا کے نزدیک دو گنا چوگنا ہو جانے والا زمانہ جامیت کا ربا ہی حرام ہے اور اسی کے بارے میں قرآن میں شدید وعید آئی ہے۔ ربا کی یہ شکل آیت "یا ایها الذين امتو لا تأكلوا الربا اضعافاً مضاعفة" میں بیان ہوئی ہے جو تحريم ربا پر پہلی آیت ہے۔ بعد میں سورہ بقرہ میں "الذین يأكلون الربا" سے شروع ہونے والی آیات ربا میں اسی مرکب سود کا تذکرہ کیا گیا ہے، دوسرے الفاظ میں سورہ بقرہ کے مطلق ربا کو سورۃ آل عمران کے مقدمہ ربا پر محمول کیا گیا ہے۔

علامہ رشید رضا کا یہ استدلال بھی صریح مغالطہ پر منی ہے۔ قرآن کے حکم ”وَلَا جُنَاحَ
لِكُوْنَةِ كَحَادٍ“ سے قطعی طور پر یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ مفرد یا سادہ ائزیسٹ حرام نہیں۔
قرآن میں کسی جرم کا ذکر کرتے ہوئے عام طور پر اسی قیود بیان ہوتی ہیں جن کا مقصد
جرم کی قباحت اور عکینی کو نمایاں کرنا ہوتا ہے۔ جیسے کہ قرآن میں آیا ہے: ”وَلَا تَكُونُو
فِيَاتُكُمْ عَلَى الْبَغْاءِ إِنَّ أَرْدَنَ تَحْصَنَا“

اس آیت سے یہ مفہوم آخذ کرنا کہ اگر وہ پاکدامن نہ رہنا چاہیں تو تم انہیں بدکاری
پر مجبور کر سکتے ہو، آیت کی غلط تعبیر ہو گی۔ اسی طرح قرآن میں ارشاد ہوا ہے: ”لَا تَقْتُلُوا
أَوْلَادَكُمْ خُشِيَّةً أَمْلَاقَ“^(۱۹) اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کسی اور وجہ سے اولاد کو بے شک
قتل کر دیں قبر و فاقہ کے خوف سے نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ یہاں قبر و فاقہ کے خوف کا
ذکر عربوں کی اس مکروہ رسم کی کراہت کو ذہن نشین کرنے کے لیے کیا گیا ہے کہ وہ اپنی
بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے اور بہانہ یہ بتاتے تھے کہ لڑکیاں تو پریاں وہن ہوتی
ہیں، ان پر کیوں پیسہ بریاد کیا جائے اور کیوں ان کی پرورش کی جائے۔^(۲۰)

علامہ رشید رضا کا استدلال اس بناء پر بھی غلط ہے کہ قرآن نے اصل زر پر ہر
زیادتی کو ربا قرار دیا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ کم مقدار میں ہے یا زیادہ مقدار میں۔
قرآن کہتا ہے: ”وَإِنْ تَبْتَمْ فَلَكُمْ رِزْوُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تَظْلَمُونَ“^(۲۱) اس کا
مطلوب یہ ہے کہ رأس المال سے جو مقدار بھی زائد ہے، وہ ربا ہے اور ظلم کا ارتکاب ہے
چاہے وہ کم ہو یا زیادہ۔

حدیث ”لَا رِبَا إِلَّا فِي التَّسْيِيَةِ“ کا مفہوم

علامہ رشید رضا کا یہ دعویٰ کہ یہ حدیث ان کے ربا کی تائید کرتی ہے ایک بلا دلیل
دعویٰ ہے۔ امام شوکانی[ؒ] کا خیال ہے کہ یہ حدیث بنیادی طور پر ربا الحیوں کے بارے میں
ہے، ربا التسییہ کے بارے میں نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گندم
کے جو کے ساتھ مبادلے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایسے مبادلے
میں کوئی حرج نہیں۔ ربا صرف تاخیر یا ادھار کی صورت میں ہے۔ گویا کہ حضرت اسامہ

نے گفتگو کا پہلا حصہ نہیں سنا جس میں گندم اور جو کے مبادلے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اور صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب ”ربا صرف تاخیر یا ادھار میں ہے“ سنا، اور یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ربا صرف ربا النسبیہ ہے۔ (۲۲)

تاہم اگر یہ تاویل درست نہ بھی ہو اور حدیث کا مقصد ربا کو ”ربا النسبیہ“ ہی میں مصروف کرنا ہو، تب بھی اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ ابتدائی معابدے میں راس المال پر اضافہ سود نہیں۔ حدیث اسمامہ سے تو یہ شکل بھی ربا ہی کے وائرے میں آتی ہے کیونکہ یہ بھی مدت کے مقابلے میں راس المال پر اضافہ ہے۔ چنانچہ ربا النسبیہ میں اصل زر پر ہر اضافہ شامل ہے چاہے وہ قرض کا معابدہ کرتے وقت قرارداد معابدہ میں شامل کیا گیا ہو یا ادائیگی کے وقت اسے معابدے میں شامل کیا گیا ہو۔

ڈاکٹر فضل الرحمن کا تصور ربا

بیسویں صدی کے ایک اور ممتاز دانشور ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ہیں جنہوں نے اپنی تحریروں میں کمرشل انٹرنسٹ کی اہمیت اور جواز کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے ربا اور انٹرنسٹ کے فرق پر ۱۹۶۳ء میں ایک مقالہ تحریر کیا۔ (۲۳) جس پر ملک کے اہل علم میں ربا کے موضوع پر ایک بحث و تمجیب کا سلسلہ چل پڑا۔ ڈاکٹر صاحب کا تصور ربا اس تصور کے بہت قریب ہے جس کا اظہار ان سے قبل مولانا جعفر شاہ پھلواروی اور سید یعقوب شاہ اپنی تحریروں میں کر چکے ہیں۔ (۲۴) ان حضرات کا نقطہ منظر یہ ہے کہ قرآن میں جن خش ربا کا ذکر ہے اس کا اطلاق کمرشل انٹرنسٹ یا بینک انٹرنسٹ پر نہیں ہوتا۔ ذیل میں ہم ڈاکٹر صاحب کے تصور ربا کا تفصیل سے جائزہ لیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کے مقالہ ”تحقیق ربا“ کے اہم مباحث درج ذیل ہیں:

- ۱۔ ربا ایک ایسا جانلی معاشی نظام تھا جس میں سود در سود کے طریق عمل سے راس المال کی مقدار اضعافاً مضاعفہ یعنی دو چند سے چند بڑھ جاتی تھی۔
- ۲۔ زمانہ جامیت کا سود اضعافاً مضاعفہ ہونے والا سود تھا۔ یعنی اس کی امتیازی خصوصیت اس کا چند در چند ہو جاتا تھا۔

۳۔ اس چند در چند سود کے عمل کی وجہ سے قرآن نے ربا کو عادلانہ تجارتی کاروبار کی ایک قسم تسلیم کر دینے سے انکار کر دیا۔

۴۔ معاملہ قرض کی پہلی مدت کا سود ربانیں ہے۔ میعاد قرض کے اختتام پر قرض دار مزید مہلت کے بدلتے جو اضافہ قرض خواہ کو دیتا ہے وہ ربا ہے۔

۵۔ ربا الشیۃ ہی ربا ہے۔ ربا الفضل کے ربا ہونے پر صحابہ کرام[ؐ] میں اختلاف ہے۔ صحابہ کی ایک بڑی تعداد اس کے وجود سے ناواقف تھی۔

۶۔ ربا الفضل کی احادیث میں کئی ایسی ابجھیں ہیں جنہیں سلحاں مشکل ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن لکھتے ہیں:

”جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں، سونے، چاندی، گیوں، جو، بھروسہ اور نمک میں دست بدست تبادلہ بھی اگر زیادتی کی کے ساتھ ہو تو بہت سی احادیث کی رو سے یہ ربا ہے اور اسی کو ربا الفضل کہا گیا ہے اس کی رو سے قسم اذل کے سیر بھر گندم کے بدلتے میں سوا سیر قسم دوم کا لین دین ربا ہوگا۔ اسی طرح لاہوری نمک اور کراچی کے نمک کا تبادلہ، خواہ دست بدست ہو، برابر ہونا چاہیے، ورنہ ربا ہوگا وغیرہ۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے ہی معاملات کے لیے قرآن نے خدا اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ کا ائمہ میثم دیا ہے؟ کیا اسی لین دین پر وہ حدیثیں صادق آتی ہیں جن میں ربا کو اپنی ماں سے زنا کے برابر بتایا گیا ہے؟“^(۱۵)

احادیث کے ذخیرے میں ان کے بقول جو ناقابل حل ابجھیں پائی جاتی ہیں اس کی ایک مثل سنن نبیقی کا باب ”لا ربا فی ما خرج فی الماکول والمشروب والذهب والفضة“ (کھانے پینے کی چیزوں اور سونے چاندی سے باہر کسی چیز میں ربانیں) ہے۔ وہ کہتے ہیں ”مگریسا پاکستان کی معاشیات کا پیشتر انحصار میں اشیاء پر ہے یعنی کپاس اور جوٹ ان کے معاملے میں ربا کا کوئی ذر نہیں۔ لیکن ممکن ہے کہ آج کے فتحاء یہ فرمائیں کہ جوٹ کو سنہری ریش اور کپاس کو نقری دولت کہا جاتا ہے، اس لیے یہ دونوں بھی سونے اور چاندی کے ذیل میں آ جائے ہیں۔“ یہی حال ایران و عرب

ممالک کے پڑوں کا بھی ہوگا کیونکہ اسے سیال سونا کہا جاتا ہے۔ لیکن جانوروں کی کھالوں کے بارے میں کیا تفہم ہوگا کیونکہ وہ بھی ہماری ملکی دولت کا ایک بڑا ذریعہ ہیں؟” (۲۶)

۷۔ ڈاکٹر فضل الرحمن ابوکبر جصاص کی تعریف ربا ”هو القرض المشروط فيه الأجل و زيادة مال على المستقرض“ (۲۷) (وہ قرض جو کسی میعاد کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا راس المال پر کچھ زیادتی ادا کرے گا) سے متفق نہیں کہ وہ جامع و مانع نہیں۔ ان کے نزدیک صحیح تعریف ربا یہ ہے: ”ادائیگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں راس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعاً ماضاعفہ ہو جائے وہ ربا ہے“ (۲۸)

۸۔ ان کے خیال میں حدیث ”کل قرض جر نفعا“ (ہر وہ قرض جو دائن کے لیے نفع کھینچ لائے رہا ہے) ”حسن قضا“ والی احادیث سے متصادم ہے۔ وہ لکھتے ہیں: تعریف زیر بحث (ابوکبر جصاص کی تعریف ربا اور اس پر بنی مولانا مودودی اور مفتی شفیع صاحب کی تعریفات) مانع نہیں کیونکہ صحیح مسلم کی مندرجہ ذیل احادیث کی رو سے قرض پر ادائیگی کے وقت زیادتی ربانیں بلکہ حدیث کے الفاظ میں ”حسن قضا“ ہے۔ امام مسلم نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے جس کا عنوان ہے: ”باب من استلف شيئاً فقضى خيراً منه و خيركم احسنك قضاء“ (باب جس نے کوئی چیز قرض لی اور اس سے بہتر لوتا دی اور یہ کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو قرض کی ادائیگی کے وقت سب سے اچھا ہو)۔ (۲۹)

۹۔ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب ابن العربي کی تعریف ربا ”وہ زیادتی جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو“ (۳۰) سے بھی متفق نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ اشتراکی مدرسہ فکر کی اصطلاح (Universal Income) کی بازگشت ہے۔ لیکن یہ تعریف قبول کرنے کے بعد مضاربہ کی کیا صورت جواز رہتی ہے۔

۱۰۔ معاشرے کی اصلاح کیے بغیر بیکوں کے منافع کو منسون کر دینے اور قرض حسنہ پر معاشی نظام کی بنیاد رکھنے کی دعوت دینا معاشی موت کو بلانا ہے۔ (۳۱) ایسا کتنا ملک

کی اقتصادی زندگی اور امت کی معاشری بہبود کے لیے مہلک اور خلاف منشاء قرآن و سنت ہے۔

۱۱۔ زمینداری اور جاگیرداری، نفع خوری اور ذخیرہ اندازی بیکوں کے منافع (Bank Interest) کی نسبت ”ربائے جلی“ سے کہیں قریب تر ہیں۔ محض لفظی التباس کی بناء پر اس کے خلاف احتیاد کرنا وہ غلطی ہے جس کی طرف ابوکبر جصاص نے اشارہ کیا ہے یعنی کسی کاروباری معاملے کو حرام قرار دینے کے لیے کسی اصطلاح شرعی سے عام استدلال کرنا درست نہیں، لہا یہ کہ اس بات کی دلیل قائم ہو جائے کہ وہ خاص کاروباری معاملہ شرعی اصطلاح کا مراد (ملول) ہے۔ (۳۲)

مذکورہ نقطہ نظر پر تبصرہ

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کے مقالے میں جو اہم فقہی امور زیر بحث آئے ہیں ان پر مختصرًا تبصرہ حسب ذیل ہے:

ربا کی تعریف

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے اس نقطہ نظر سے اختلاف کیا ہے کہ عرب میں سود کا معاملہ اس طور پر ہوتا تھا کہ ایک معین رقم معین مدت کے لیے ایک معین شرح سود پر دی جاتی تھی۔ قرض خواہ اگر رقم مع سود میعاد مقررہ پر ادا کر دیتا تو معاملہ ختم ہو جاتا تھا اور اگر ادا نہ کر سکتا تو آئندہ کے لیے مزید سود کا معاملہ کیا جاتا تھا۔ (۳۳)

ان کے خیال میں جاہلیت کے ربا کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو موطا امام مالک میں حضرت زید بن اسلم نے روایت کی ہے۔ وہ روایت اس طرح ہے:

”کان الربا فی العجاهلیة أبیکون للرجل علی الرجل الحق إلى أجل، فإذا حل الحق قال أقضى أم تزيد؟ فإن قضاه أخذ والا زاده في حقه وزاده الآخر في الأجل“۔ (۳۴)

(جاہلیت میں ربا یہ تھا کہ کسی شخص کا کسی دوسرے پر قرض کسی مدت کے لیے واجب ہوتا تو جب مدت ختم ہو جاتی تو قرض خواہ قرض دار سے پوچھتا کہ تم

ادا کرو گے یا بڑھاؤ گے؟ اور اگر وہ ادا کر دیتا تو وہ وصول کر لیتا۔ ورنہ اپنے قرض کی رقم میں اور قرض دار کی مہلت ادا نگی میں اضافہ کر دیتا۔ اس روایت کی بناء پر انہوں نے ابویکر جصاص کی مشہور تعریف ربا کو قبول نہیں کیا۔ ابویکر جصاص کی تعریف ربا یہ ہے:

”هو القرض المشروط فيه الأجل وزيادة مال على المستقرض“ (۳۵)

(یعنی وہ قرض جو کسی میعاد کے لیے اس شرط پر دیا جائے کہ قرض لینے والا رأس المال پر کچھ زیادتی ادا کرے گا)

مذکورہ حدیث اور آیت ”لَا تأكُلوا الرِّبَا أَضْعافًا مَضَاعفَة“ کی روشنی میں انہوں نے ربا کی تعریف یوں کی ہے: ادا نگی قرض کی مقررہ مدت میں تاخیر کے عوض میں رأس المال پر اتنا اضافہ جس سے وہ اضعافاً مضاعفہ ہو جائے ربا ہے۔ (۳۶)

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قرآن میں اضعافاً مضاعفہ یا چند در چند سود کی حرمت کا مقصد کم مقدار کے سود کی حلت نہیں۔ اضعافاً مضاعفہ کے ذکر کرنے کا مقصد تو جرم کی شفاعت اور تباہت کو نمایاں کرنا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے تصور ربا کو ثابت کرنے کے لیے زید بن اسلم کی جس روایت کا سہارا لیا ہے اس سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جاہلیت کا ربا صرف اسی ایک طریقے تک محدود تھا۔ علامہ رشید رضا کے تصور ربا کا جائزہ لیتے ہوئے ہم نے بہت سی روایات نقل کی ہیں جو کہ ثابت کرتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں ابدانی معابدہ قرض میں بھی اضافہ کی شرط عائد کی جاتی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے چند در چند سود یا اضعافاً مضاعفہ پر اصرار کی غالباً وجہ یہ ہے کہ وہ اس سے بینک کے سود کا جواز ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ یہ صفت بینکنگ ائرٹسٹ میں بھی بدرجہ اتم پائی جاتی ہے۔ (۳۷) ڈاکٹر صاحب نے ابن العربي کی تعریف ربا پر تقيید کی ہے ان کے خیال میں اس تعریف کو قبول کر لینے کے بعد مضاربت کے منافع کو جائز قرار دینے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتی۔ ہمارے خیال میں یہ ایک صریح خلط بحث ہے۔ ربا اور مضاربت کے درمیان کیا مماثلت ہے کہ ان کے درمیان تقابل کیا جائے۔ معاملہ مضاربت میں رب المال نفع کا حصہ اس بناء پر بنتا ہے کہ وہ اس کاروبار کا نقصان انگیز کرتا ہے، مشہور حدیث نبوی ہے:

”الخراج بالضمان“ (یعنی تم اس چیز کا فائدہ اٹھا سکتے ہو جس کے مکنہ نقصان کی تلافی اور بوجھ تمہارے ذمے ہے یا یہ کہ نفع کا حقدار انسان اسی وقت بنتا ہے جب وہ نقصان برداشت کرنے کے لیے تیار ہو)۔ لہذا مضاربت میں رب المال کا نفع اسکی کمائی نہیں جو بلاعوض ہو۔ یہ کمائی رب المال کے راس المال اور خطرہ اگئیز کرنے کی استعداد کے مقابلے میں ہے۔ اس کے برعکس بینک کا انٹرست بلاشبہ ایک (Unearned income) ہے۔ بینک اپنے قرض دہندہ تاجر کے کسی نقصان میں شریک نہیں ہوتا۔ اپنے راس المال اور سود کا ہر حال میں تقاضا کرتا ہے، چاہے اس کا کاروبار چلے یا نہ چلے۔ اسے اس سے کوئی غرض نہیں کہ قرض دہندہ کا پیسہ ڈوب گیا ہے۔ اسے نقصان ہوا ہے یا اس کا پیسہ چوری ہو گیا ہے۔ وہ ہر حالت میں پہلے سے طے شدہ شرح کے مطابق سود وصول کرتا ہے۔ لہذا یہ ایک ایسا منافع ہے جس کے مقابلہ کوئی عوض نہیں۔

ربا الفضل کا مفہوم

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب گو کہ احادیث ربا الفضل کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں تاہم ربا الفضل کو ربا تسلیم کرنے میں انہیں تأمل ہے۔ اس کی ان کے نزدیک کمی وجہ ہیں:
۱۔ صحابہ کرام کی ایک تعداد ربا کو ربا النسبیہ تک محدود سمجھتی تھی۔ وہ ربا الفضل کو ربا تسلیم نہیں کرتی تھی۔

۲۔ حدیث ”انما الربا فی النسبیة“ کے مطابق ربا صرف ربا النسبیہ ہے۔

۳۔ احادیث ربا الفضل میں کئی ایسی اجتنیں ہیں جن کا سلیمانا مشکل ہے۔

اب ہم ان نکات کا جائزہ لیتے ہیں:

۱۔ ڈاکٹر فضل الرحمن کا یہ موقف غلط ہے کہ صحابہ کی ایک معقول تعداد ربا الفضل کو ربا تسلیم نہیں کرتی تھی۔ امر واقع یہ ہے کہ صرف عبداللہ ابن عباسؓ کے حوالے سے یہ روایت ملتی ہے کہ وہ ابتداء میں حدیث امامہؓ کی بناء پر دست بدست لین دین میں سود کے قائل نہیں تھے۔ تاہم بعد میں ابوسعید خدراؓ سے مردی احادیث کی بناء پر انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ امام شوکانی فرماتے ہیں کہ عبداللہ ابن عباسؓ نے جب حضرت عمر بن

الخطاب" اور ان کے بیٹے عبد اللہ ابن عمر" سے ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں سنا تو آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا اور اپنے سابقہ موقف پر خدا سے استغفار کیا۔ وہ کہتے ہیں: آپ دونوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ کچھ سنایا جو میں نے نہیں سنائے۔ پھر آپ نے کہا: میری پہلے جواز کی رائے تھی لیکن میں نے ابوسعید خدری" سے ربا الفضل کی حرمت کے بارے میں سنا ہے۔ (۲۸) ابن ماجہ روایت کرتے ہیں کہ ابوالجزاء نے کہا کہ میں نے ابن عباس" کو نقد معاملات میں تقاضل کا فتوی دیتے سنایا پھر مجھے یہ خبر پہنچی کہ انہوں نے اپنی رائے سے رجوع کر لیا ہے۔ میں ان سے کہ میں ملا اور پوچھا کہ کیا کہ واقعی اپنی رائے سے رجوع کر چکے ہیں؟۔ ابن عباس" نے جواب دیا کہ ہاں۔ پہلے میری یہی رائے تھی۔ لیکن میں نے ابوسعید خدری" سے سنا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے نقد معاملات میں تقاضل سے منع کیا ہے۔ (۲۹)

جابر بن زید" کہتے ہیں کہ عبد اللہ ابن عباس" دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے صرف اور متحہ کے بارے میں اپنی رائے سے رجوع کر چکے تھے۔ (۳۰)
۲۔ حدیث "انما الربا فی النسینة" یا "لَا رِبَا إلَّا فی النسْنَةِ" کے حوالے سے علماء کی مختلف آراء ہیں۔

ایک رائے یہ ہے کہ وہ ابوسعید خدری" کی حدیث "لَا تَبِعُوا الظُّهُبَ بِالظُّهُبِ إِلَّا مثلاً بِمثْلِهِ وَلَا تَشْفُوا بعْضَهَا عَلَى بعْضٍ وَلَا تَبِعُوا الورقَ بِالوَرقِ إِلَّا مثلاً بِمثْلِهِ وَلَا تَشْفُوا بعْضَهَا عَلَى بعْضٍ وَلَا تَبِعُوا مِنْهَا غَائِبًا بِمَنْجَزِهِ" (۳۱) (ابوسعید خدری") کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا سونے کے عوض نہ پہنچو مگر جوں کا توں۔ کوئی کسی کو زیادہ نہ دے۔ اور نہ غائب کا تبادلہ حاضر سے کرو) سے منسخ ہو چکی ہے۔ امام شافعی" فرماتے ہیں ہماری یہی رائے ہے کیونکہ یہ صرف سے متعلق احادیث کے مطابق ہے۔ (۳۲)

امام نووی فرماتے ہیں کہ "حدیث اسامہ کے ظاہر پر عمل نہ کرنے کے سلسلہ میں مسلمانوں کا اجماع ہے۔ یہ اجماع اس کے منسخ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔" (۳۳)

دوسری رائے یہ ہے کہ ابوسعید خدری" کو حدیث اسامہ پر کثرت روایہ کی ہباء پر ترجیح حاصل ہے۔ ربا الفضل پر احادیث ابویکر، عثمان، ابوہریرہ، ہشام بن عامر، البراء،

زید بن ارقم[ؓ]، فضالہ بن عبید[ؓ]، الی بکرہ[ؓ]، ابن عمر[ؓ]، ابو الدربواد[ؓ]، اور بلاں[ؓ] سے مروی
ہیں۔ (۳۳)

شکافی فرماتے ہیں: ”اگر حدیث اسماء کا حدیث ابو سعید خدری سے تعارض کسی طور پر
ذور نہ ہو سکے تو جو حدیث ایک بہت بڑے گردہ سے مروی ہے اسے اس حدیث پر ترجیح
دی جائے گی جو ایک فرد سے ثابت ہے۔“ (۳۴)

تیری رائے یہ ہے کہ حدیث اسماء میں راوی نے حدیث کا صرف ایک حصہ نقل کیا
ہے، مکمل حدیث ربا الفضل کے بارے میں ہے۔ اس کی وضاحت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ
نے گندم کے گندم کے تقاضل کے ساتھ تبادلے سے منع فرمایا تو سائل نے پوچھا کہ گندم
کے جو کے ساتھ تبادلے کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تقاضل میں کوئی حرج نہیں، ”ربا
صرف ادھار میں ہوگا۔“ امام شافعی[ؓ] نے اس کی توجیہ یوں کی ہے۔ (۳۵)

ربا الفضل کے حوالے سے تیری اہم بات یہ ہے کہ ربا کی اس قسم کو سدالذریعہ کے
طور پر منوع قرار دیا گیا ہے۔ ایک ہی جنس کی دو چیزوں کے دست بدست لین دین میں
زیادتی کو اس وجہ سے حرام قرار دیا گیا ہے کہ اس سے زیادہ ستانی کا دروازہ کھلتا ہے اور
انسان میں وہ ذہنیت پرورش پاتی ہے، جس کا آخری شمرہ سود خواری ہے۔ (۳۶)

ابن القیم کے نزدیک چونکہ ربہ النسیۃ کی تحریم مقصود بالذات ہے، اور ربا الفضل کی
سدالذریعہ کے طور پر ہے، لہذا موخر الذکر کی حرمت کا درج مقدم الذکر کی حرمت سے کم
ہے۔ علام ابن القیم کے اس بیان سے یہ نتیجہ یادخی کیا جا سکتا ہے کہ ربا الفضل وہ ربا
نہیں ہے جس کے ارتکاب پر قرآن نے خدا اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کا اٹھ میم
دیا ہے۔ ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کو یہ الجھن ہے کہ قسم اول کی سیر بھر گندم کے بدلتے
میں سوا سیر قسم دوم کی گندم کا لین دین کیوں ربا ہے؟ اور یہ کہ کپاس اور جوٹ کے
معاملے میں کیوں ربا نہیں؟

یہ اور اس طرح کی بہت سی الجھنیں ہمارے خیال میں اس دور کے نظام معيشت سے
ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی میہشت بنا یادی طور پر کرنی کے بجائے
جنس کے ساتھ جنس کے ساتھ تبادلے پر مبنی میہشت تھی۔ گو کہ درہم و دینار کا بھی مارکیٹ

میں چلن تھا۔ اس طرح کی بارہ معاشرت میں عام طور پر چیزوں کی حقیقی قدر کا تعین مشکل ہوتا ہے۔ ایسی معاشرت میں احتمال رہتا ہے کہ دو چیزوں کی نوعیت کے درمیان حقیقی فرق کو جاننے والا شخص ایک ناواقف شخص کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے اپنی اعلیٰ جنس کے بد لے ادنیٰ جنس کی بہت بڑی مقدار وصول کر لے جبکہ فی الواقع دونوں قسموں کے درمیان فرق اتنا نہ ہو جتنا اس نے وصول کیا ہے۔ لہذا اس مکمل اتحصال کا دروازہ بند کرنے کے لیے شارع نے تفاضل کے ساتھ ایسے لین دین کو ممنوع قرار دیا تاکہ چیزوں کے درمیان فرق کو اتحصال کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔ تاہم چیزوں کے فرق اور اس کی بناء پر ان کی مختلف قدر متعین کرنے کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ ابو سعید خدري[ؓ] سے مروی درج ذیل حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے۔

عن أبي سعيد و أبي هريرة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجالاً على خير فجاءه بتصرّف جنيب فقال أكل تمر خير هكذا، قال لا والله يا رسول الله أنا نأخذ الصاع من هذا بصاعين والصاعين بالثلاث. فقال: لا تفعل بعـ

الجمع بالدرارِم ثم ابْتَعَ بالدرارِم جنبياً وَقَالَ فِي الْمِيزَانِ مُثْلِ ذَلِكَ. (۳۸)

(ابو سعید اور ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو خیر کا تحصیل دار مقرر کر کے وہاں بھیجا وہ وہاں سے (مال گزاری میں) عمدہ قسم کی کھجوریں لے کر آیا۔ آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ کیا خیر کی ساری کھجوریں ایسی ہی ہوتی ہیں؟ اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ، ہم جو ملی ملی کھجوریں وصول کرتے ہیں انہیں کبھی دو صاع کے بد لے ایک صاع کے حساب سے اور کبھی تین صاع کے بد لے دو صاع کے حساب سے ان اچھی کھجوروں سے بد لیا کرتے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ پہلے ان مخلوط کھجوروں کو درہموں کے عوض فروخت کرو، پھر اچھی قسم کی کھجوریں درہموں کے عوض خرید لو۔ یہی بات آپ نے وزن کے حساب سے مبارکہ کرنے کی صورت میں بھی ارشاد فرمائی۔)

اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر دو ہم جنس چیزوں کی نوعیت میں فرق ہو تو

اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی اعلیٰ جنس کی چیز کو روپوں کے بدلتے میں مارکیٹ میں بچ دیے اور پھر ان روپوں سے ادنیٰ جنس خرید لے۔ یعنی دوسرے الفاظ میں اعلیٰ اور ادنیٰ چیز کے درمیان مبادلہ روپوں کے ذریعہ ہو۔ اس اصول کی روشنی میں اگرا ہم ایک سیر اعلیٰ گندم کا سوا سیر گندم کے ساتھ تبادلہ کریں تو یہ تبادلہ اس بناء پر درست ہو گا کہ اب اشیاء کی قدر کا تعین کرنی نوٹ کرتے ہیں۔ چیزوں کی حقیقی قدر کے تعین میں اب کوئی وقت نہیں رہی۔ اب اگر کوئی شخص ایک سیر قسم اول گندم کا تبادلہ سوا سیر قسم دوم گندم سے کرتا ہے تو گویا اس نے پندرہ روپے سیر والی گندم مارکیٹ میں پیچے پھر ان پندرہ روپوں سے اس نے بارہ روپے سیر والی گندم کے سوا سیر خرید لیے تو یہ لین دین حدیث ابوسعیدے خدراً[ؓ] اور ابوہریرہؓ میں مجازہ طریقہ کار کے میں مطابق ہے اور بالکل درست ہے۔ ان دو جنوں کے تبادلے میں تفاضل کسی طور پر بھی ربا میں نہیں آتا۔ اتنی طرح اگر ایک شخص کے پاس بیتیں روپے سیر والے دو سیر چاول ہیں اور وہ سولہ روپے سیر والے چاولوں سے ان کا تبادلہ کرنا چاہتا ہے تو وہ دو سیر کے بدلتے میں چار سیر لے سکتا ہے کیونکہ یہ صورت بالواسطہ تبدیلی ہے۔ یعنی گویا اس نے بیتیں روپے والے چاول مارکیٹ میں چونٹھے روپے کے پیچے پھر ان روپیوں سے اس نے سولہ روپے والے چار سیر خرید لیے۔ اس طرح ربا الفضل کے حوالے سے لاہوری نمک اور کراچی نمک کے تبادلے کا جو اشتکال ڈاکٹر فضل الرحمن نے پیدا کیا ہے، وہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔

ربا الفضل کے حوالے سے ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب نے ایک اور سوال اٹھایا ہے کہ کپاس، پت سن، پھرول اور کھالیں کیوں ربا الفضل کی حرمت سے باہر ہیں، اس کا ایک جواب تو اور گزر چکا ہے کہ دو ہم جنس چیزوں کا تبادلہ اس صورت میں تفاضل کے ساتھ جائز ہے جب دونوں کی قیمتیں واضح طور پر مارکیٹ میں تعین ہوں، ایسی صورت میں یہ مبادلہ روپوں کے توسط سے سمجھا جائے گا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ بعض دوسری احادیث کی رو سے ربا الفضل کا دائرہ صرف کھانے پینے کی چیزوں تک محدود نہیں بلکہ وزن و کیل سے پیچا جانے والی تمام چیزیں ربوی اموال ہیں، حدیث کے الفاظ ہیں: ”ماوزن مثلاً بمثیل إذا كان نوعاً واحداً وما كيل بمثيل ذلك“،

فإذا اختلف النوعان فلا بأس به”^(۴۹) اس حدیث کی رو سے ربا وزن اور کیل سے بچی جانے والی ہر چیز میں واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ ایسی دو ہم جنس چیزوں کا باہمی تبادلہ تقاضل کے ساتھ جائز نہیں۔ اس حدیث کی رو سے کپاس، پٹ سن، پٹرول وغیرہ سب ربی اموال ہیں جن میں ربی واقع ہوتا ہے۔

”کل قرض جرنفعا“ کا حدیث ”حسن قضا“ کے ساتھ تعارض

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب فرماتے ہیں کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ قرض لوٹاتے وقت اصل پر اضافہ فرماتے تھے اور اسے حسن قضا قرار دیتے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اصل قرض پر اضافہ دینا نیکی کا عمل ہے۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ اگر اصل قرض پر اضافہ حسن قضا ہے تو پھر ”کل قرض جرنفعا فهو ربا“ کا کیا جواز ہے؟۔ ”کل قرض جرنفعا“ کا تقاضا تو یہ ہے کہ اصل قرض پر ہر اضافہ ربا قرار دیا جائے۔ اس طرح ان کے خیال میں دونوں احادیث میں تعارض ہے۔

امر واقع یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے قرض پر جو اضافہ دیا وہ رضا کارانہ تھا، معابرے کا حصہ نہ تھا۔ قرض پر اضافہ صرف اسی صورت میں ربا بنتا ہے جب وہ معاهدة قرض کا حصہ ہو، یعنی معابرے کی ایک لازمی شرط ہو۔ تمام فقهاء اس پر متفق ہیں کہ قرض دہندہ کے لیے جائز ہے کہ وہ قرض خواہ اصل قرض سے زیادہ دے بشرطیکہ وہ اضافہ معابرے کی شرط نہ ہو۔^(۵۰)

ابن قدامة فرماتے ہیں: ہرودہ قرض کا معاملہ جس میں یہ شرط عائد کی گئی ہو کہ قرض دہندہ اضافہ دے گا وہ بالاتفاق حرام ہے۔ لیکن اگر اس نے بغیر کسی شرط کے قرض دیا اور قرض دہندہ نے مقدار یا نوعیت کے لحاظ سے بہتر چیز لوٹائی تو یہ جائز ہے۔^(۵۱)

”تکملة المجموع شرح المهدب“ میں آیا ہے: ایسا قرض جائز نہیں جو قرض خواہ کے لیے منفعت کھینچے اگر وہ منفعت شرط معابرہ ہو۔ لیکن اگر قرض دہندہ نے خود کوئی اضافہ دیا یا اچھی چیز لوٹائی تو یہ نبی ﷺ کے اس قول کے مطابق جائز ہے۔ ”تم میں بہتر وہ ہے جو اچھی ادائیگی کریں۔“^(۵۲)

ڈاکٹر فضل الرحمن صاحب کی آراء سے یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ انہوں نے ربا کے حوالے سے حدیث کے لٹرپچر کا علمی انداز میں مطالعہ نہیں کیا۔ وہ ایک طرف تو احادیث میں معارضے اور ان کے ناقابل فہم ہونے کا اشارہ کرتے ہیں اور دوسری طرف اسی لٹرپچر پر انحصار کرتے ہوئے ایسی احادیث لینے میں کوئی تامل نہیں محسوس کرتے جو ان کے پہلے سے بننے بنائے موقف کی تائید کرتی ہوں۔ ربا الفضل پر احادیث کی صحت پر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ اس کے باوجود ان کا میلان ربا الفضل کو قبول نہ کرنے کی طرف ہے۔ اس کے مقابلے میں حدیث امامہ جو کئی علماء کے نزدیک منسوخ ہے، اس بناء پر ان کے نزدیک لائق اعتبار ہے کہ اس سے وہ اپنی تعبیر ربا کے لیے استدلال کر سکتے ہیں۔ حدیث ”کل قرض جر نفعا فهو ربا“ بھی ان کے نزدیک اس بناء پر ملکوک ہے کہ اس سے ان کے استدلال کی عمارت نہیں ہو جاتی ہے۔ حدیث ”کل قرض جر نفعا“ کا لازمی تقاضا ہے کہ اصل زر پر ہر اضافہ ربا قرار پائے خواہ یہ اضافہ ابتدائی معاهدہ قرض کا حصہ ہو یا اختتم معاهدہ کے وقت ادائیگی نہ ہونے کی صورت میں مہلت کے عوض قرض دہنہ سے طلب کیا جائے۔ وہ چونکہ قرار داد معاهدہ میں راس المال پر مشروط اضافے کو ربانیہں سمجھتے لہذا ایسی ہر حدیث کو تسلیم کرنے سے انکاری ہیں جس سے ان کا مذکورہ موقف کمزور پڑتا ہو۔ اس کے برعکس ”حسن تفہما“ والی احادیث پر وہ زور دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے راس المال پر اضافے کی منجاوش تلقنی ہے۔

علامہ رشید رضا کا بھی تقریباً یہی طریقہ استدلال ہے۔ انہوں نے بھی تفاسیر و احادیث سے صرف وہ حصہ لیا ہے جس سے وہ اپنے چند در چند (اضعافاً مضاعفہ) ربا والے موقف کے حق میں استدلال کر سکیں۔ اس کوشش کے بیچے ان حضرات کی یہ خواہش کا رفرما ہے کہ کرشل ائٹرسٹ یا بینک کے منافع کو سود کی حرمت سے باہر رکھا جائے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ربا کی متداول تعریفات کو مسترد کر دیا جائے اور ایک ایسی تعریف وضع کی جائے جو ربا کو ایک خاص شکل (یعنی اضعافاً مضاعفہ) میں محصر کر دے۔

حوالی

- ۱۔ ان حضرات کے نقطہ ہائے نظر جانے کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر عمر بن عبد العزیز المعرک، الربا و المعاملات المصرفیہ فی نظر الشریعۃ الاسلامیۃ، دارالحاصۃ، ریاض، طبع اول ۱۴۱۲ھ، ص ۱۹۲، مسعود محمد ربیعہ، تحریک المصرف الربوی بی المعرفة الاسلامی، کوہت، منشورات مرکز الکھلوات ۱۹۹۲ء، ص ۶۱ تا ۷۹۔
- ۲۔ یہ نقطہ نظر علامہ رشید رضا، علامہ عبد العزیز جاویش، ڈاکٹر فضل الرحمن وغیرہ کا ہے۔
- ۳۔ یہ نقطہ نظر ڈاکٹر معروف دوائی، استاذ مصطفیٰ زرقا، مولانا جعفر شاہ پھواروی، جشن تقدیر الدین اور ڈاکٹر فضل الرحمن وغیرہ کا ہے۔
- ۴۔ یہ نقطہ نظر علامہ محمد رشید رضا، علامہ عبد الوہاب خلاف، علامہ علی خیف، علامہ عبد العزیز جاویش کا ہے۔
- ۵۔ الربا و المعاملات فی الاسلام، ص ۸۳، ۸۲
- ۶۔ فتاویٰ محمد رشید رضا، تحقیق ڈاکٹر صلاح الدین مجدد و یوسف خوری، جلد دوم، طبع اول، بیروت، دارالکتاب الجدید، ۱۹۷۰ء، ص ۶۰۸
- ۷۔ حوالہ مذکورہ بالا۔
- ۸۔ سورہ آل عمران: آیت ۱۳۰
- ۹۔ تفسیر المنار، جزو ثالث، ص ۱۱۳، ۱۱۲
- ۱۰۔ الربا و المعاملات فی الاسلام، ص ۵۲، ۵۳
- ۱۱۔ تفسیر مجاهد مع تعلیق عبدالرحمن السوری، طبع بیروت، جلد ۱، ص ۷۷
- ۱۲۔ طبری، جامع البیان، جلد ۳ ص ۱۰۱، دارالاقریر۔
- ۱۳۔ بنوی، محالم التزییل، طبع ریاض ۱۴۰۹ھ، جلد ۱، ص ۳۷۹
- ۱۴۔ ابوکبر جاصص، احکام القرآن، بیروت، دارالکتاب العربي، ۱۴۰۵ھ، جلد ۱، ص ۳۶۵
- ۱۵۔ الفضل فی تاریخ العرب قبل الاسلام، مکتبۃ الخمیثہ، بغداد، جلد ۷، ص ۳۷۰-۳۷۹
- ۱۶۔ تفسیر کبیر، طبع مصر ۱۹۲۸ء، جلد ۷، ص ۹۱
- ۱۷۔ ابن عبدالبر، التمیید، طبع لاہور ۱۹۸۳ء، جلد ۳، ص ۶۸

- ۱۸۔ ابن القیم، اعلام المؤمن عن رب العالمین، طبع اول، قاهرہ، المکتب التجاری الكبيری، ۱۹۵۵ء، حصہ دوم، ص ۱۳۶، ۱۳۵
- ۱۹۔ اعلام المؤمن، حوالہ مذکورہ، ص ۱۳۷
- ۲۰۔ ایضاً، ص ۱۳۲
- ۲۱۔ ایضاً، ص ۱۳۶
- ۲۲۔ ایضاً
- ۲۳۔
- ۲۴۔ دیکھیے: ڈاکٹر محمود احمد نازی، حرمت ربا اور غیر سودی مالیاتی نظام، انسی ثبوت آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد، طبع اول، ۱۹۶۳ء، ص ۳۲، ڈاکٹر عمر بن عبدالعزیز، ائمہ، دارالعاصمۃ، ریاضی، طبع اول، ۱۹۷۳ء، ص ۷۶، ۱۹۸
- ۲۵۔ سورۃ البقرۃ: ۲۲۵
- ۲۶۔ شوکانی، نسل الاوطار، قاهرہ، مصطفیٰ البالی انجینی، ۱۹۷۱ء، جلد ۵، ص ۲۱۶
- ۲۷۔ دیکھیے: تحقیق ربا، فکر و نظر، جلد اشارة ۵، نومبر ۱۹۶۳ء
- ۲۸۔ دیکھیے: مولانا محمد جعفر شاہ پھلواروی، کرشم انٹرست کی فقیہی حیثیت، ادارہ ثقافت اسلامیہ، پاکستان، طبع اول، ۱۹۵۹ء۔
- ۲۹۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، حوالہ سابقہ، ص ۷۶
- ۳۰۔ حوالہ سابق ص ۷۷
- ۳۱۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، ص ۹۸
- ۳۲۔ حوالہ مذکور ص ۸۵
- ۳۳۔ امام مالک ابن انس، الموطأ، کتاب المیع نمبر ۲۸
- ۳۴۔ احکام القرآن، جلد ۱، ص ۳۶۹
- ۳۵۔ تحقیق ربا، فکر و نظر، حوالہ سابق ص ۹۸
- ۳۶۔ سید قطب "نی طلاق القرآن" میں لکھتے ہیں: امر واقع ہے کہ چند در چند سو (اضھافا مضاعف) کی صفت صرف جعلی رہا ہے کی خصوصیت نہیں تھی بلکہ بر قابل نفرت سودی نظام کا ایک جزو لا اخراجاً

- ہے، قطع نظر اس کے کہ انہرست یا سود کی شرح کرنی ہے۔ فی غلال القرآن، جلد ا، ص ٢٨٣
- ۳۷۔ سنن ابی داؤد، حدیث نمبر ٣٥٠٨، جلد ۳، ص ٧٧٧
- ۳۸۔ شوکانی، نسل الادطار، جلد ۵، ص ١٢٤، صناعی، ببل السلام، جلد ۲، ص ٥٣
- ۳۹۔ سنن بیہقی، جلد ۵، ص ٢٨٠، سکل، تکملۃ الجموع جلد ا، ص ٢٣
- ۴۰۔ سرخی، المبسوط جلد ۱، ص ١١٢، ١١١
- ۴۱۔ صناعی، ببل السلام، بیروت، دار الفکر ١٩٣٨م، جلد ٣، ص ٣٢
- ۴۲۔ شافعی، الام، جلد ۲، ص ١٢
- ۴۳۔ نووی، شرح صحیح مسلم، جلد ۷، ص ٢٢
- ۴۴۔ سکل، تکملۃ الجموع، کتبہ زکریا علی یوسف، قاہرہ، جلد ا، ص ٣٥
- ۴۵۔ شوکانی، نسل الادطار، جلد ۵، ص ٢١٧
- ۴۶۔ سکل، تکملۃ الجموع، جلد ۱، ص ٣٥، زطبی، نصب الرای، جلد ۲، ص ٣٢
- ۴۷۔ مولانا مودودی، سود، لاہور اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۱م، ۱۶۶
- ۴۸۔ شوکانی، نسل الادطار، جلد ۵، ص ٢١٧
- ۴۹۔ حوالہ سابق، جلد ۵، ص ۱۹۳
- ۵۰۔ شوکانی، نسل الادطار، جلد ۵، ص ۲۱۸
- ۵۱۔ ابن قدامہ، الحشی، جلد ۲، ص ۳۲۱
- ۵۲۔ دکھنی: شیخ فیصل مولوی، دراسات حول الربا والفوائد والمصارف، دارالارشاد الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۰م، ص ۳۱

